ڈاکٹر محمد ریاض

اقبالؒ اور معاشری انصاف

علامہ اقبال نے برعظیم کی عملی سیاست میں صرف چند سال تک حصہ لیا، مگر یہ امر مسلّم ہے کہ تقسیم ہند اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے قیام کے لیے سب سے پہلے مؤثر آواز اٹھانے کی سعادت ان ہی کو نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تصور کو شرفِ قبولیت بخشا۔ تصورِ پاکستان کے ضمن میں بعض ایسے لوگوں کا نام لیا جاتا ہے جنھوں نے ۱۹۳۰ء سے قبل تقسیم ملک کی باتیں کی تھیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد سے قبل ایسی کوئی تجویز نمایاں صورت میں پیش نہیں ہوئی تھی اور یہ اقبال کا صدارتی خطبہ ہی تھا جس نے برعظیم کے مسلمانوں کے لیے لائحۂ فکر یہ فراہم کیا اور انھوں نے نحن القوم کی گلبانگ بلند کی۔ تحریک پاکستان میں اقبال کی مجموعی خدمات کو بانیٔ پاکستان، قائد اعظم محمد علی جناح نے چند جملوں میں ایجاز سے بیان فرمادیا ہے۔ "خطوط اقبال بنام جناح" (انگریزی) کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے: "اقبال کے خیالات مجموعی طور پر میرے خیالات سے ہم آہنگ تھے اور ہندوستان کو جو آئینی مسائل درپیش تھے، ان کے گہرے مطالعے اور غور و خوض کے بعد میں بھی آخر میں ان ہی نتائج تک پہنچا جو سر محمد اقبال کی نظر میں باصواب تھے۔ یہ وہی تصورات تھے جو بالبعد مسلمانانِ ہند کی متفقہ رضامندی کی صورت میں عمل پذیر ہوئے اور ان ہی کے مطابق لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو آل انڈیا مسلم لیگ نے وہ قرارداد منظور کی جسے 'قراردادِ پاکستان' کہا جاتا ہے"۔ بانیٔ پاکستان کے ان فرمودات اور دیگر معاصر شواہد کی روشنی میں اقبال اور پاکستان کے نام باہم مربوط اور لاینفک ہیں اور رہیں گے۔

معاشرتی انصاف، معاشی، سیاسی اور تعلیمی ہر اعتبار سے تقاضائے انسانیت ہے اور اقبال اسے دینِ فطرت، اسلام، کی رو سے بروئے کار لانے کے متمنی تھے۔ اقبال نے کبھی عالمِ دین اور فقیہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ان کا یہ قول تھا کہ:

قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

مگر واضح حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر کوئی اور عالم اور فقیہ نہ تھا۔ ان کا سرمایۂ فکر و نظر، اساساً اسلام پر ہی استوار ہے اور شرق و غرب کے سب نظریات سے آگاہ ہونے کے باوجود، جو کوئی اساسیاتِ اسلام سے نابلد ہو، وہ علامہ مرحوم کے افکار و آرا کے عمق کو نہ سمجھ سکے گا۔ یہ بات ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ معاشرتی انصاف کے ضمن میں اقبال کے مباحث کا زمینہ فراہم کیا جا سکے۔

اقبال کو برعظیم کے مسلمانوں کی پس ماندگی اور ان کے ساتھ کی جانے والی معاشرتی ناانصافیوں کا شدت سے احساس تھا اور انھوں نے اپنی نثر و نظم کے ذریعے اس صورتِ حال کے خلاف بھرپور آواز بلند کی۔ ان کے تصورِ پاکستان کا ایک لازمہ معاشی بہبودی کی عملی صورت سوچنا تھا۔ چنانچہ قائدِ اعظم کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ میں آپ نے لکھا تھا:

"ہماری سیاسی جماعتوں نے مسلمانوں کی عمومی فلاح و بہبود کی خاطر کبھی نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں میں یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ وہ برابر رو بہ انحطاط ہیں۔ ان کا یہ عام احساس ہے کہ ان کی غربت و افلاس کی وجہ ہندوؤں کی سود خواری اور نظامِ سرمایہ داری ہے۔ ایک تیسری وجہ غیر ملکی تسلط ہے مگر مسلمانوں نے ابھی اس پر زیادہ سوچا نہیں۔ بہر حال اس معاشی مسئلے کا حل اسلام کے پاس ہے اور اس دین میں ہر شخص کی باوقار روزی کا حق محفوظ ہے، مگر اس دین کے اصولوں پر ایک آزاد اسلامی ریاست میں ہی عمل ہو سکتا ہے..." اس اقتباس سے واضح ہے کہ اقبال کو ایک آزاد اسلامی ریاست کے تصور میں ہندو مہاجنوں، نظامِ سرمایہ داری اور غیر ملکی استعمار پسندوں سے نجات کی صورت نظر آ رہی تھی اور ساتھ ساتھ اسلام کے معاشرتی نظام کی تشکیل کے امکانات بھی روشن نظر آتے تھے۔

۱۹۱۷ میں روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا۔ اقبال کو اس نظام کی مادیت و الحاد سے بنایت نفرت تھی مگر چونکہ سرمایہ داروں کی مخالفت اور غریبوں کی حمایت ان کو عزیز تھی، اس لیے انھوں نے اس نظام کی جزواً تعریف بھی کی ہے۔ وہ خوش تھے کہ اس کا ایک جز، نظامِ اسلام کی عملی تعبیر پیش کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ ملتِ روسیہ لا سے گزر کر اِلّا کی منزل کی طرف بھی آ جائے۔ ضربِ کلیم میں فرماتے ہیں:

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم   بے سود نہیں روس کی یہ گرمئ گفتار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں   اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار
جو حرفِ "قُل العفو" میں پوشیدہ ہے اب تک   اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

اور مثنوی "پس چہ باید کرد" میں فرماتے ہیں :

روس را قلب و جگر گردیدہ خون   از ضمیرش حرفِ 'لا' آمد بروں
آیدش روزی کہ از زورِ جنوں   خویش را زیں تند باد آرد بروں
در مقامِ 'لا' نیاساید حیات   سوئے 'الّا' می خرامد کائنات

معاشرتی انصاف سے وابستگی کا مظہر اقبال کا ایک ایسا شعر ہے جسے میں غریبوں اور کمزوروں کی حمایت کا حلف نامہ کہتا ہوں ۔ خدا سے خطاب کرتے ہوئے اقبال ربِ العزت کے جلال کی قسم کھاتے ہیں کہ ان کا مقصدِ وحید، کبوتروں کو عقاب دیکھنا ہے :

بجلالِ تو کہ در دل دگر آرزو ندارم   بجز ایں دعا کہ بخشی بکبوتراں عقابی

کبوتر، ممولا یا کنجشک دراصل عقاب، شاہین یا شاہباز جیسے قوی پرندہ کے مقابلے میں کمزوری کا استعارہ ہے ۔ "بالِ جبریل" کے دو شعر ہیں :

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے   لڑا دے ممولے کو شہباز سے

گرماؤ غریبوں کا لہو سوزِ یقیں سے   کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور عام محنت کشوں کی حمایت میں اقبال کا زورِ قلم دیکھنے کے لیے "پیامِ مشرق" کا حصہ "نقشِ فرنگ" دیکھیے جس میں کارل مارکس، مزدک، قیصر ولیم بادشاہِ جرمنی، کوہکن (فرہاد یعنی مردِ مزدور) حکیم آگسٹس کونٹ فرانسیسی اور لینن کے مکالمات کی صورت میں انھوں نے استحصال زدہ انسانی طبقات کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی و دل سوزی دکھائی ہے ۔

بانگِ درا میں حضرت خضرؑ بندۂ مزدور کو پیغامِ انقلاب دیتے نظر آتے ہیں :

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے   مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے

"بالِ جبریل" میں لینن (خدا کے حضور میں) فرشتوں کا گیت اور فرمانِ خدا (فرشتوں سے) وہ سرگانہ انقلابی نظمیں ہیں جن پر اشتراکی سر دھنتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نظموں کے بعض اشعار انقلاب آور شان رکھتے ہیں مثلاً:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں — ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ — دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر — تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست — بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو — کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

مگر ان نظموں میں خدا، فرشتوں اور ایمان کے ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعرِ مشرق، اسلام کے نظامِ معیشت کی صدا بلند کر رہا ہے نہ کہ اشتراکیت کی۔ ایک معاصر مصنف کے الفاظ میں "ایک غیر اشتراکی اور مومن شاعر، معاشرے کے مظلوم طبقے کی حمایت اور سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی مخالفت میں بادی النظر میں اشتراکیت کا ایسا حامی نظر آتا ہے کہ اشتراکی شاعر اس سے کوسوں پیچھے نظر آئیں[۱]۔" اقبال نظامِ سرمایہ داری کے بے حد مخالف تھے۔ وہ اس نظام کو بدل دینے کا درس دیتے ہیں۔ اس کو ناپائیداری کا فیصلہ سناتے ہیں اور کہیں کہیں اس نظام کے روبہ انحطاط ہونے کے آثار دیکھ کر خورسند نظر آتے ہیں:

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا — جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

مگو با من خدای ما چنین کرد! — کہ شستن می توان از دامنش گرد

۱۔ مظہر الدین صدیقی THE IMAGE OF THE WEST IN IQBAL
بزم اقبال لاہور ص ۵۰، ۵۱

تہہ و بالا کن ایں عالم کہ در وی — قماری می برد نامرد از مرد

گیا دورِ سرمایہ داری گیا — تماشا دکھا کر مداری گیا

نظامِ سرمایہ داری کی مخالفت میں اقبال ساہوکاروں، بینک کاروں، کارخانے داروں یا بے رحم امرا کے ہی خلاف نہ تھے بلکہ ان کے وابستگان بھی، صوفی ہوں یا ملّا، فقیہہ ہوں یا مفتی، ان کی نظر میں معتوب اور قابلِ ملامت تھے۔ اس گروہ کے بعض لوگ اپنے فوائد کی خاطر نظامِ سرمایہ داری کی توجیہات و تاویلات کرتے رہتے ہیں اور اسی لیے اقبال نے کہا ہے کہ :

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر

"جاوید نامہ" کے "آنسوئے افلاک" میں خطاب بہ جمال میں فرماتے ہیں :

از ملوکیت جہانِ تو خراب — تیرہ شب در آستینِ آفتاب

آنکہ گوید لاالٰہ بیچارہ ایست — فکرش از بی مرکزی آوارہ ایست

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر — سود خوار و والی و ملّا و پیر

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اقبال نے سرمایہ داری اور اشتراکیت کا موازنہ کیے بغیر، انسانی ہمدردی کے شاعرانہ جوش میں آکر اشتراکیت کی حمایت کردی ہے، اور عشق کی عقل پر برتری کے اپنے نظریہ پر عمل کیا ہے[۲]۔ اور ایک مصنّف کا کہنا ہے کہ اقبال نے اشتراکیت اور اسلام کے ظاہری تشابہ سے دھوکا کھا کر اشتراکیت کی حمایت کی ہے اور انھیں معاشرتی انصاف یا معاشی انقلاب سے سنجیدہ انداز میں دلچسپی ہی نہ تھی[۳]۔ یہ بالکل مہمل باتیں ہیں۔ اقبال نے علم الاقتصاد (۱۹۰۳) لکھ کر معاشیات سے اپنی دلچسپی ابتدا میں ہی دکھا دی تھی۔ "گفتارِ اقبال" (مرتبہ محمد رفیق افضل) میں اشتراکیت کی مخالفت اور مجرّد دی حمایت کے بارے

۲؎ CANTWELL SMITH: MODERN ISLAM IN INDIA - P 128

۳؎ IQBAL SINGH: AN INTRODUCTION TO THE LIFE AND WORKS OF MOHUMMED IQBAL - P 237

میں اقبال کے طویل بیانات موجود ہیں۔ ۱۹۱۷ کے بعد مدتوں اشتراکیت موضوعِ بحث رہی اور برعظیم کے ممتاز مجلوں (مثلاً معارف اعظم گڑھ) میں اس نظام اور سرمایہ داری کے طویل تقابلی مطالعے پیش کیے جاتے رہے ہیں[1]۔ ان حالات میں کیا اقبال جیسا بے بدل ذہین و فطین شخص ان مطالعات و مباحث سے بے نیاز رہ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اقبال نے شعوری طور پر سرمایہ داری اور اشتراکیت کی مخالفت کی ہے اور مؤخر الذکر نظام کی جزوی حمایت بھی۔

مسئلۂ ملکیتِ زمین، معاشیاتِ اسلامی کا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور اصلاحاتِ اراضی کی کوششوں کے ضمن میں اس مسئلے پر ہمارے ہاں کافی لکھا جاتا رہا ہے۔ یہ مسئلہ، تین "ز" کے فتنوں میں سے ایک ضرور ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

سرگذشتِ آدم اندر شرق و غرب — بہرِ خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب
یک عروس و شوہر او ما ہمہ — آں فسوں گر، بے ہمہ، ہم، با ہمہ
عشوہ ہائے او ہمہ مکر و فن است — نے از آنِ تو، نہ از آنِ من است

اس مسئلے پر اقبال نے نہ فقہی بات کی ہے اور نہ ہم ان کی بات کو دقیق فقہی مباحث میں شامل کر سکتے ہیں، مگر وہ زمین کے عام استفادے کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ وہ بڑی زمینداریوں کے سخت خلاف تھے اور بہ مشکل ملکیتِ زمین کے قائل کہے جا سکتے ہیں۔ ۲۳ فروری ۱۹۲۸ کو انھوں نے پنجاب کونسل میں بڑی زمینداریوں کی مخالفت اور چھوٹے مزارعین کی حمایت میں ایک معرکۃ الآرا تقریر کی تھی۔ "ارمغانِ حجاز" میں وہ اسلامی نظامِ معیشت کے بارے میں فرماتے ہیں:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف — منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

بالِ جبریل کا ایک قطعہ "الارض للہ" اسم بامسمّٰی ہے۔ جب زمین اور اس کے محاصل دستِ قدرت میں ہیں، تو دہخدا اور زمیندار اس کے مالک کیسے؟

---

[1] خصوصاً مولانا عبد السلام ندوی مرحوم کے مقالے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟ کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟ خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟ موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
دِہ خدایا، یہ زمین تیری نہیں، تیری نہیں تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

جاوید نامے کا ایک عنوان "ارض مِلک خدا است" ان کے اسی نظریہ کا مظہر ہے:

حق زمیں را جز متاعِ ما نہ گفت این متاعِ بے بہا، مفت است مفت
دِہ خدایا، نکتہ ای از من پذیر رزق و گور از وی بگیر، او را مگیر
باطنِ "الارض للّٰہ" ظاہر است ہر کہ این ظاہر نہ بیند، کافر است

معاشی مسائل پر ان راہنمائیوں کے ساتھ اقبال بڑی دلسوزی سے کہتے ہیں کہ مسلمان غیر استحصالی قرآنی معاشرہ تشکیل دیں جس میں معاشرتی انصاف اور مادّی خوشحالی کے ساتھ ساتھ روحانیت کا دَور دَورہ ہو:

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

مثنوی "پس چہ باید" میں فرماتے ہیں:

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم تا کجا در حجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن نکتۂ شرعِ مبین را فاش کن
کس نگردد در جہان محتاجِ کس نکتۂ شرعِ مبین این است و بس

مندرجہ بالا سطور "اقبال کے پاکستان" میں معاشرتی انصاف کا ایک خاکہ فراہم کرتی ہیں جو اس حقیقت کا مظہر ہے کہ معاشرتی انصاف میں جسم و روح کے دونوں تقاضے پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر روحانی تقاضے نظر سے اوجھل ہوں اور معاشرہ روحِ ایمانی سے محروم ہو تو محض مادّی ترقی، مصورِ پاکستان کی روح کو مسرور نہیں کر سکتی۔

اے مرا تسکینِ جانِ ناشکیب تو اگر از رقصِ جان گیری نصیب
سرِ دینِ مصطفیٰؐ گویم ترا ہم بقبر اندر دعا گویم ترا